

عصر حاضر میں جہاد سے متعلق مسائل

..... لاہور کی ایک غیر سرکاری تنظیم ”مجلس فکر و نظر“ کی جانب سے مارچ ۲۰۰۵ء میں لاہور میں جہاد اور دہشت گردی کے موضوع پر ایک سیمینار منعقد کیا گیا۔ سیمینار سے قبل تنظیم کی جانب سے مختلف لوگوں کو ایک سوالنامہ بھی بھیجا گیا تھا۔ زیر نظر مقالہ اسی سوالنامے کی روشنی میں تیار کیا گیا ہے۔ مقالہ نگار نے ”آداب القتال“ سے صرف نظر کر کے صرف انہی سوالوں پر توجہ مرکوز رکھی جو ”علۃ القتال“ سے متعلق ہیں۔ اصحاب علم اس مقالے کو محض ایک طالب علم کی کاوش سمجھ کر دیکھیں۔ مقالہ نگار اپنی رائے کو حتیٰ نہیں سمجھتا۔ اس لئے اصلاح کی خاطر کی جانے والی ہر قسم کی تنقید کھلے دل سے قبول کی جائے گی۔

جہاد کی تعریف اور اقسام

اولاً: جہاد کی تعریف

جہاد جہاد یجہاد سے فعال کے وزن پر مصدر ہے۔ اس فعل کا دوسرا مصدر مفاعلة کے وزن پر مجاہدة ہے۔ بنیادی مادہ اس لفظ کا ج ہ د ہے۔ لغوی طور پر اس کے معنی انتہائی کوشش کے ہیں۔ شرعی اصطلاح کے طور پر یہ دو مفاہیم میں مستعمل ہے۔ ایک اس کا وسیع مفہوم ہے جس کے تحت دین کی سر بلندی اور حفاظت کے لئے کی جانے والی ہر کوشش جہاد شمار ہوتی ہے۔ دوسرا اس کا خاص مفہوم ہے جس کے تحت دین کی سر بلندی اور حفاظت کے لئے کی جانے والی مسلح جدوجہد ہی جہاد کہلاتی ہے، جسے ”قتال“ کے لفظ سے بھی تعبیر کرتے ہیں۔ گویا وسیع مفہوم میں قتال جہاد کی ایک قسم ہے، جبکہ بسا اوقات قتال اور جہاد مترادف کلمات کے طور پر بھی مستعمل ہوتے ہیں۔

دونوں مفاہیم میں اس کا استعمال قرآن و حدیث میں ہوا ہے۔ مکی سورتوں میں لفظ جہاد اپنے وسیع مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ مثلاً سورۃ الفرقان میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: فلا تطع الکفرین و جاہدہم بہ جہاداً کبیراً۔^(۱)

”پس آپ ان کافروں کی بات کا اثر نہ لیں اور اس قرآن کے ذریعے ان سے بڑا جہاد کیجیے۔“

(२)

”اور جو لوگ ہماری خاطر سخت جدو جہد کر رہے ہیں، ہم ضرور ان کو اپنی راہیں دکھائیں گے، اور یقیناً اللہ نیکوکاروں کے ساتھ ہے۔“

سورۃ الحج کے کئی یا مدنی ہونے پر اختلاف ہے تاہم درج ذیل آیت کے متعلق جہور مفسرین کی رائے یہی ہے کہ یہاں جہاد کا وسیع مفہوم ہی مراد ہے:

و جاهدوا فی اللہ حق جہادہ۔ (۳) ”اور اللہ کی راہ میں جدوجہد کرو جیسا کہ اس کیلئے جدوجہد کا حق ہے۔“
مدنی سورتوں میں بالعموم لفظ جہاد کا استعمال قتال ہی کے مفہوم میں ہوا ہے۔

مثلاً سورۃ الحجرات میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: **انما المؤمنون الذين آمنوا بالله ورسوله ثم لم يرتابوا وجاهدوا باموالهم و انفسهم في سبيل الله، اولئك هم الصديقون** ^(۴)

”حقیقت میں مومن تو وہ ہیں جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے، پھر انہوں نے شک نہیں کیا اور اللہ کی راہ میں اپنی جانوں اور مالوں سے جہاد کیا۔ یہی لوگ سچے ہیں۔“

اسی طرح سورۃ التوبہ میں ارشاد ہوا ہے:

وإذا أنزلت سورة أن آمنوا بالله وجاهدوا مع رسوله استأنذك أولئها الطول منهم، و قالوا ذرنا نحن مع الفعدين (٥)

”جب کبھی کوئی سورت اس مضمون کی نازل ہوئی کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کی معیت میں جہاد کرو تو ان میں سے قدرت رکھنے والوں نے ہی آپ سے اجازت طلب کی کہ ان کو جہاد میں شرکت سے معاف کیا جائے اور کہنے لگے ہمیں جھوڑ دیجیے کہ ہم بیٹھنے والوں کے ساتھ بیٹھ رہیں۔“

جہاد کے وسیع مفہوم کے متعلق امام ابن تیمیہ کہتے ہیں:

الجهاد اما ان يكون بالقلب كالعزم عليه ، او بالدعوة الى الاسلام و شرائعه ، او باقامة الحجة على المبطل ، او ببيان الحق و ازالة الشبهة ، او بالرأى و التدبير فى ما فيه نفع المسلمين ، او بالقتال نفسه . فيجب الجهاد بغاية ما يمكنه .^(١)

”جہاد یا تو دل کے ذریعے کیا جاتا ہے جیسے جہاد کا عزم، یا اسلام اور اس کے احکامات کی طرف دعوت کے ذریعے، یا غلط کاروں پر جہت قائم کر کے، یا حق کی وضاحت اور شیعے کے ازالے کے ذریعے، یا مسلمانوں کے نفع کے کام کے لئے فکر اور تدبیر کے ذریعے، یا نفس قتال ہی کے ذریعے۔ پس جو ذریعہ بھی ممکن ہو اس کے ذریعے جہاد واجب ہے۔“

البتہ نفس کو خدا کا مطیع کرنے کے لیے www.rasailjurnal.com پر "مجاددہ" کا لفظ بولا

جاتا ہے۔ اسی طرح شریعت کے نصوص اور اصول و قواعد نیز فلسفہ و حکمت تشریع کی روشنی میں نت نئے مسائل کا حل ڈھونڈنا بھی جہاد کے وسیع مفہوم میں شامل ہے، تاہم اس کے لئے عام طور پر مستعمل لفظ ”اجتہاد“ ہے۔

فقہاء و محدثین اور علمائے امت کے محاورے میں لفظ جہاد ”قتال“ ہی کے مفہوم میں مستعمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث و فقہ کی کتب میں ”کتاب الجہاد“ کے عنوان کے تحت قتال ہی کے احکام ذکر ہوتے ہیں۔ اسی سبب سے بعض کتب (مثلاً صحیح بخاری) میں ”کتاب الجہاد“ کے بجائے یا اس کے ساتھ ساتھ ”کتاب المغازی“ کا عنوان ہوتا ہے۔ اسی طرح ایک متعلقہ اصطلاحی لفظ ”سیر“ کا بھی ہے۔ یہ جمع ہے ”سیرۃ“ کا، جس کا مطلب ہے ”طریقہ، طرز عمل، کردار“۔ رسول اللہ ﷺ کے سوانح کے لئے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے اور جہاد بمعنی قتال کے شرعی احکام کے لئے بھی اس مؤخر الذکر مفہوم کی وجہ سے ہی قتال کے احکام پر لکھی جانے والی ابتدائی کتب کا عنوان ”کتاب السیر“ ہی ہوتا تھا (مثلاً محمد بن الحسن الشیبانی کی کتاب السیر الصغیر اور کتاب السیر الکبیر)۔ قتال کے احکام پر مبنی کتاب کو السیر کے نام سے معنوں کرنے کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس کتاب میں مقاتلین یعنی برسر جنگ لوگوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے طرز عمل کی وضاحت ہوتی تھی۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ اس طرز عمل کے لئے بنیادی طور پر رہنمائی رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل اور انہی کے سوانح یا سیرت سے لی جاتی تھی۔ یہاں یہ بھی قابل ذکر ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے سوانح کے لئے سیرت کے علاوہ عام طور پر مستعمل لفظ ”مغازی“ ہی تھا (مثلاً مغازی ابن اسحاق وغیرہ)۔

پس مسلم یا غیر مسلم معاشرے میں اعداء کلمۃ اللہ کے لئے کی جانے والی ہر کوشش جہاد کے وسیع مفہوم میں شامل ہے، اسی طرح دینی احکام پر عمل کے لئے اپنی ذات کی اصلاح کے لئے کوشش بھی جہاد کے وسیع مفہوم میں شامل ہے، تاہم ایسی کوششیں قتال (جو جہاد کا خاص مفہوم ہے) نہیں کہلائی جاسکتیں، نہ ہی یہ کوششیں قتال کا بدل ہو سکتی ہیں۔ گویا جہاں شریعت کے احکام کی روشنی میں قتال فرض ہو چکا ہو وہاں جہاد کی دوسری اقسام پر عمل پیرا ہونے سے قتال کا فریضہ ادا نہیں ہوگا۔ اپنی اصلاح کی کوشش، یا اصلاح معاشرہ کی جدوجہد مستقل فرائض ہیں اور قتال (جب اس کی فرضیت کے اسباب موجود ہوں) ایک مستقل فریضہ ہے۔ بالکل اسی طرح جیسے نماز کی ادائیگی کسی ایسے شخص کو فریضہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے مبرا نہیں کر سکتی جس پر زکوٰۃ فرض ہو چکی ہو۔

ثانیاً: جہاد ”دفاعی“ یا ”اقدامی“؟

کئی وجوہ سے جہاد کیلئے ”دفاعی“ اور ”اقدامی“ کی تقسیم صحیح نہیں ہے۔ (۷) پہلے تو یہی بات متنازع فیہ ہے کہ کون سے حالات دفاع کے تحت آتے ہیں اور کس کا بروائی کو اقدام کہا جائے گا۔ مثلاً ایسی صورت میں جبکہ ایک دفعہ جنگ ہو چکی ہو اور کسی مستقل معاہدہ امن کے بغیر فریقین اپنے اپنے مورچوں میں واپس چلے گئے ہوں اور پھر ایک

فریق حملے میں پہل کرے تو اسے پچھلی جنگ کا تسلسل قرار دے کر دفاعی بھی کہا جاسکتا ہے، جبکہ اسے ایک نیا حملہ قرار دے کر اقدامی بھی کہا جاسکتا ہے۔ اسی طرح کسی غیر مسلم ملک یا کسی دوسرے مسلم ملک میں مقیم مسلمانوں پر حملے کی صورت میں ان کی مدد کو دفاع بھی قرار دیا جاسکتا ہے اور اقدام بھی۔ نیز اقدامی جہاد کی ترکیب سے یہ مترشح ہوتا ہے کہ یہ کوئی مستقل جنگ (Perpetual War) ہوگی، حالانکہ جہاد اس سے یقیناً مختلف ہے۔ اسی طرح دفاعی جہاد کی ترکیب سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حملے میں پہل نا جائز ہے، جبکہ بعض حالات ایسے ہوتے ہیں کہ ان میں پہل واجب ہو جاتی ہے۔ پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دفاع کا حق ایک فطری حق ہے جس کے لئے خصوصی تشریع کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ تشریع کی اگر ضرورت تھی تو اس سلسلے میں تھی کہ دفاع کے حدود (Scope) متعین کئے جائیں، نیز وہ صورتیں بتائی جائیں جہاں حملے میں پہل یا اقدام جائز اور بعض اوقات واجب ہو جاتا ہے۔ مزید برآں جہاد کو دفاع تک محدود کرنے کی کوئی ضرورت بھی نہیں کیونکہ اقوام متحدہ کے چارٹر اور بین الاقوامی قانون کے تحت ”جائز جنگ“ محض دفاع تک ہی محدود نہیں ہے، بعض صورتوں میں اقدامی جنگ بھی جائز بلکہ واجب ہو جاتی ہے (مثلاً جب اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل چارٹر کے باب ہفتم کے تحت متعین کرے کہ کسی ملک کی جانب سے امن عالم کو خطرہ [Threat to the Peace] ہے)۔^(۸)

رسول اللہ ﷺ نے جو جنگیں لڑی ہیں انہیں بھی محض دفاعی جنگیں نہیں قرار دیا جاسکتا۔ یقیناً ان میں اکثر جنگیں یا تو دفاعی ضرورت کے تحت لڑی گئیں یا وہ دراصل پچھلی جنگوں کا تسلسل تھیں، تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ بعض مواقع پر رسول اللہ ﷺ نے حملے میں پہل کی ہے (مثلاً غزوہ خیبر یا غزوہ تبوک)۔ ان جنگوں کو بھی دفاع کہا جاسکے گا جب دفاع کا بہت ہی وسیع مفہوم لیا جائے یعنی اس میں پیش بندی کے اقدام (Pre-emptive Strike) کا حق بھی شامل سمجھا جائے۔ اب یہ بھی حقیقت ہے کہ پیش بندی کے اقدام کو ایک جانب سے دفاع اور دوسری جانب سے اقدام قرار دیا جائے گا۔ مزید برآں جس جنگ کا اعلان سورۃ التوبہ میں کیا گیا ہے اسے تو کسی صورت بھی دفاع نہیں قرار دیا جاسکتا۔

فاذا انسلكوا الشهر الحرام فاقتلوا المشركين حيث وجدتموهم، وخذوهم واحصروهم واقعدوا لهم كل مرصد، فان تابوا واقاموا الصلوة وآتوا الزكاة فخلوا سبيلهم، ان الله غفور رحيم۔^(۹)

”پس جب حرام مہینے گزر جائیں تو ان مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی انہیں پاؤ، اور انہیں پکڑو اور گھیرو اور ہر گھات میں ان کی خبر لینے کے لئے بیٹھو۔ پھر اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کی راہ چھوڑ دو۔

یقیناً اللہ بخشنے والا رحیم کرنے والا ہے۔“

رسول اللہ ﷺ کی جنگوں اور ان سے متعلق آیات و احادیث پر غور کرنے سے یہ حقیقت بالکل واضح طور پر سامنے آ جاتی ہے کہ ان جنگوں میں رسول اللہ ﷺ کے مخالفین کے لئے عذاب الہی کا پہلو بھی شامل تھا۔ رسول اپنی قوم پر اللہ کی حجت تمام کرنے کے لئے آتا ہے۔ وہ قوم کے لئے حق اور باطل اس طرح واضح کر دیتا ہے کہ کسی کے پاس نہ ماننے کے لئے کوئی بہانہ یا دلیل باقی نہیں رہ جاتی۔ اس کے بعد بھی جو لوگ حق کے آگے سر جھکانے سے انکار کر دیتے ہیں ان کے لئے اسی دنیا میں خدا کی عدالت قائم ہو جاتی ہے اور رسول کی زندگی میں ہی انہیں نیست و نابود کر دیا جاتا ہے۔ پچھلی اقوام کے لئے عذاب الہی قدرتی آفتوں کی صورت میں نمودار ہوا، جبکہ خاتم النبیین ﷺ کے مخالفین کے لئے صحابہ کی تلواریں عذاب کا کوڑا بن گئیں۔^(۱۰)

قاتلوہم یعدہم اللہ بایدیکم۔^(۱۱) ”ان سے لڑو تا کہ اللہ تمہارے ہاتھوں ان کو عذاب دے“ پس رسول اللہ ﷺ کی جنگوں کا یہ مخصوص پہلو ہر گز نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ اس قسم کی جنگیں رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے بعد نہیں لڑیں جاسکتیں۔ یہ ایک مخصوص حکم تھا جو اب باقی نہیں رہا۔ اس نکتے کی وضاحت کے لئے کچھ تفصیل ضروری ہے۔ رسول کو اللہ تعالیٰ اتمام حجت کیے لئے بھیجتا ہے۔

رسلا مبشیرین و منذرین لئلا یکون للناس علی اللہ حجة بعد الرسل۔^(۱۲) ”یہ سارے رسول خوشخبری دینے والے اور خبردار کرنے والے بنا کر بھیجے گئے تھے تا کہ ان کو مبعوث کرنے کے بعد لوگوں کے پاس اللہ کے سامنے کوئی حجت باقی نہ رہے۔“

اتمام حجت کے بعد بھی حق کا انکار کرنے والوں کو لازماً سزا دی جاتی ہے اور اس سلسلے میں عدالت یہیں اس دنیا میں برپا ہو جاتی ہے۔

و لکل امة رسول ، فاذا جاء رسولہم قضیٰ بینہم بالقسط و ہم لا یظلمون۔^(۱۳) ”ہر امت کے لئے ایک رسول ہے۔ پھر جب کسی امت کے پاس اس کا رسول آ جاتا ہے تو اس کا فیصلہ پورے انصاف کیے ساتھ چکا دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھ ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جاتا۔“

رسول کو اس کی زندگی میں ہی اللہ تعالیٰ غلبہ عطا کر دیتا ہے۔ ان الذین یحادون اللہ و رسولہ اولئک فی الازلیں۔ کتب اللہ لا غلبن انا ورسلی۔ ان اللہ قوی عزیز۔^(۱۴) ”جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ محاذ آرائی کرتے ہیں وہ یقیناً ذلیل ترین ہو کر رہیں گے۔ اللہ نے لکھ رکھا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب ہو کر رہیں گے۔ یقیناً اللہ زور آور اور زبردست ہے۔“

رسول کے کذب بین جب رسول کو قتل کرنے کے درپے ہو جاتے ہیں تو ان کے اقدام سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو آگاہ کر کے ہجرت کا حکم دیتا ہے۔

انه لن يؤمن من قومك الا من قد آمن ، فلا تبتنس بما كانوا يفعلون - و اصنع الفلك باعيننا و وحينا .^(۱۵) تمہاری قوم میں مزید کوئی ایمان لانے والا نہیں ہے جو لوگ ایمان لانے والے تھے وہ ایمان لا چکے، پس ان کے کرتوتوں پر غم کرنا چھوڑ دو اور ہماری نگرانی میں ہماری وحی کے مطابق کشتی بناؤ۔“

حضرت لوط علیہ السلام سے ارشاد ہوا: فاسر باهلك بقطع من الليل .^(۱۶)

”پس تو کچھ رات رہ اپنے اہل و عیال کو لے کر نکل جا۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا گیا: اسر بعبادی انکم متبعون .^(۱۷)

”راتوں رات میرے بندوں کو لے کر نکل جاؤ، تمہارا پیچھا کیا جائے گا۔“

رسول اللہ ﷺ سے ارشاد ہوا: و ان كادوا ليستفزونك من الارض

ليخرجوك منها و اذا لا يلبثون خلفك الا قليلا - سنة من قد ارسلنا قبلك من رسلنا ، و لا تجد لستتنا تحويلا .^(۱۸) ”اور یہ لوگ اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ اس سرزمین سے تمہارے پیر اکھاڑ دیں اور تمہیں یہاں سے نکال باہر کر دیں۔ لیکن اگر انہوں نے ایسا کیا تو خود یہ تمہارے نکل جانے کے بعد یہاں کچھ زیادہ دیر ٹھہرنہ سکیں گے۔ یہ ہمارا مستقل طریق کار ہے جو ہم نے ان تمام رسولوں کے معاملے میں برتا ہے جنہیں تم سے پہلے ہم نے بھیجا تھا، اور تم ہمارے طریق کار میں کوئی تغیر نہیں پاؤ گے۔“

رسول اللہ ﷺ کو ہجرت کی دعا بھی سکھادی گئی: قل رب ادخلني مدخل صدق و

اخرجني مخرج صدق و اجعل لي من لدنك سلطانا نصيرا - و قل جاء الحق و زهق الباطل ، ان الباطل كان زهوقا .^(۱۹) ”اور دعا کرو کہ اے میرے رب مجھے جہاں بھی تو لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال، اور اپنی طرف سے ایک اقتدار کو میرا مددگار بنا۔ اور اعلان کر دو کہ حق آگیا اور باطل مٹ گیا اور باطل تو ہے ہی مٹنے والا۔“

رسول کی ہجرت کے بعد قوم سے امان اٹھ جاتی ہے۔ وہ عذاب الہی کی مستحق ہو جاتی ہے۔ و اذ قالوا اللهم ان

كان هذا هو الحق من عندك فامطر علينا حجارة من السماء او ائتنا بعذاب اليم

- و ما كان الله ليعذبهم و انت فيهم ، و ما كان الله معذبهم و هم يستغفرون -

”اور وہ بات بھی یاد کرو جب انہوں نے کہا تھا کہ اے اللہ! اگر یہی تیری طرف سے حق ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادے یا کوئی اور دردناک عذاب ہم پر لے آ۔ اور اللہ اس وقت تو ان کو عذاب دینے والا نہیں تھا جبکہ تم ان میں موجود تھے، اور اگر یہ مغفرت طلب کریں تو اللہ اب بھی ان کو عذاب دینے والا نہیں۔“

رسول کے مکذبین پر یہ عذاب مختلف شکلیں میں نازل ہوتا ہے © rasailojaraid.com

فكلا اخذنا بذنبه ، فمنهم من ارسلنا عليه حاصبا ، ومنهم من اخذته الصيحة ، ومنهم من خسفنا به الارض ، ومنهم من اغرقنا ، وما كان الله ليظلمهم ، ولكن كانوا انفسهم يظلمون۔ (۲۱)

”آخر کار ہم نے ہر ایک کو اس کے جرم میں پکڑا۔ پس ان میں سے بعض پر ہم نے پتھراؤ کرنے والی ہوا بھیجی، اور کسی کو ایک زبردست دھماکے نے آلیا، اور کسی کو ہم نے زمین میں دھنسا دیا، اور کسی کو غرق کر دیا۔ اور اللہ تو ایسا نہیں کہ ان پر ظلم کرتا، بلکہ یہ خود ہی اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے۔“

رسول اللہ ﷺ کی قوم پر اس عذاب کا پہلا کوڑا غزوہ بدر کی صورت میں برسا۔ اس جنگ میں قریش مکہ کے تمام اہم سردار مارے گئے۔

ان تستفتحوا فقد جاءكم الفتح ، و ان تنتهوا فهو خير لكم ، و ان تعودوا نعد ، و لن تغنى عنكم فتكم شيئا ولو كثرت ، و ان الله مع المؤمنين۔ (۲۲)

”اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو لو! فیصلہ تمہارے سامنے آچکا۔ اب باز آ جاؤ تو تمہارے لئے ہی بہتر ہے۔ اور اگر پلٹ کر وہی کر توت دہراؤ گے تو ہم بھی وہی سزا دیں گے۔ اور تمہاری جمعیت، خواہ وہ کتنی ہی زیادہ ہو، تمہارے کچھ کام نہیں آئے گی۔ اور جان لو کہ اللہ مومنوں کے ساتھ ہے۔“

پھر مختلف جنگوں میں حق پرستوں اور باطل پرستوں کا ٹکراؤ ہوتا رہا اور حق اور باطل بالکل ہی ایک دوسرے سے میٹیز ہو کر سامنے آ گئے۔ یوں اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک اور ناقابل تبدیل سنت ظاہر کر دی۔

انزل من السماء ماء ، فسالنا اودية بقدرها فاحتمل السيل زبدا رابيا ، و مما يوقدون عليه فى النار ابتغاء حلية او متاع زبد مثله ، كذلك يضرب الله الحق و الباطل ، فاما الزبد فيذهب جفاء ، و اما ما ينفع الناس فيمكث فى الارض ، كذلك يضرب الله الامثال۔ (۲۳)

”اللہ نے آسمان سے پانی برسایا، اور ہر ندی نالہ اپنے ظرف کے مطابق اسے لے کر چل نکلا، پھر جب سیلاب اٹھا تو سطح پر جھاگ بھی آ گئے۔ اور ایسے ہی جھاگ ان دھاتوں پر بھی اٹھتے ہیں جنہیں زیور اور دیگر چیزیں بنانے کے لئے لوگ پگھلایا کرتے ہیں۔ اسی طرح اللہ حق اور باطل کا ٹکراؤ کرتا ہے۔ جو جھاگ ہے وہ اڑ جایا کرتا ہے اور جو چیز انسانوں کے لئے نافع ہے وہ زمین میں ٹھہر جاتی ہے۔ اس طرح اللہ اپنی بات مثالوں سے سمجھاتا ہے۔“

صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کے لئے موقع تھا کہ وہ مکہ فتح کرتے، مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا تقاضا یہ تھا کہ ابھی مکہ فتح نہ ہو۔

و هو الذى كف ايديهم عنكم و ايديكم عنهم بطون مكة من بعد ان اظفر

کم علیہم، وکان اللہ بما تعملون بصیراً۔ ہم الذین کفروا و صدو کم عن المسجد الحرام و الہدی معکوفات ان یبلغ محلہ، و لو لا رجال مؤمنون و نساء مؤمنات لم تعلموہم ان تطوہم فتصیبکم منہم معرة بغير علم، لیدخل اللہ فی رحمته من یشاء، لو تزیلوا العذابنا الذین کفروا منہم عذابا الیما۔ (۲۳)

”وہی ہے جس نے مکہ کی وادی میں ان کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیے۔ حالانکہ وہ ان پر تمہیں غلبہ عطا کر چکا تھا اور جو کچھ تم کر رہے تھے اللہ اسے دیکھ رہا تھا۔ وہی لوگ تو ہیں جنہوں نے کفر کا ارتکاب کیا اور تمہیں مسجد حرام سے روکا اور ہدی کے اونٹوں کو ان کی قربانی کی جگہ نہ پہنچنے دیا۔ اللہ ایسا نہ کرتا اگر مکہ میں ایسے مومن مرد عورت موجود نہ ہوتے جنہیں تم نہیں جانتے، اور یہ خطرہ نہ ہوتا کہ نادانستگی میں تم انہیں پامال کر دو گے تو اس سے تم پر حرف آئے گا۔ یہ اللہ نے اس لئے کیا کہ جسے اللہ چاہے اپنی رحمت میں داخل کر لے۔ اگر وہ مومن الگ ہو گئے ہوتے تو ان اہل مکہ میں سے جو کافر تھے ان کو ہم ضرور سخت عذاب دیتے۔“

بالآخر جب مومن اور کافر الگ الگ ہو گئے اور مکہ فتح ہوا تو کافروں کے لئے آخری حکم سورۃ التوبہ میں نازل ہوا۔

فاذا انسלخ الاشهر الحرم فاقتلوا المشرکین حیث وجدتموہم، وخذوہم و احصروہم و اقعدوا الہم کل مرصد، فان تابوا و اقاموا الصلوۃ و آتوا الزکوۃ فخلوا سبیلہم، ان اللہ غفور رحیم۔ (۲۵)

”پس جب حرام مہینے گزر جائیں تو ان مشرکین کو قتل کرو جہاں بھی انہیں پاؤ، اور انہیں پکڑو اور گھیرو اور ہر گھات میں ان کی خبر لینے کے لئے بیٹھو۔ پھر اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز قائم کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو ان کی راہ چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔“

رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ ذیل فرمان مبارک کا یہی صحیح محل ہے:

امرت ان اقاتل الناس حتی یشہدوا ان لا الہ الا اللہ و ان محمدا رسول اللہ، و یقیموا الصلوۃ و یؤتوا الزکوۃ۔ فاذا فعلوها عصموا منی دما و اموالہم الا بحقہا، و حسبہم علی اللہ۔ (۲۶)

”مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں ان لوگوں سے لڑوں یہاں تک کہ وہ یہ گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں، اور نماز قائم کریں، اور زکوٰۃ دیں۔ جب وہ ایسا کریں گے تو اپنی جانیں اور اپنے اموال مجھ سے بچا لیں گے، اے اس حق کے جو اسلام کے اقرار سے ان پر عائد ہوتا ہو، اور ان کے ساتھ محاسبہ اللہ کا کام ہوگا۔“

یوں رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی سنت کے عین مطابق غلبہ اور تمکین حاصل ہوا۔

هو الذي ارسل رسوله بالهدى ودين الحق ليظهره على الدين كله ولو كره المشركون۔ (۲۷)

”وہی اللہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ اسے پورے دین پر غالب کر دے، خواہ یہ ان مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔“

رسول اللہ ﷺ نے جزیرۃ العرب کو دین اسلام کے لئے مخصوص کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لا يجتمع دينان في جزيرة العرب۔ (۲۸) ”جزیرۃ عرب میں دو دین جمع نہیں ہو سکتے۔“

ثالثاً: علة القتال اور غاية القتال

جہاد کے حکم کی صحیح نوعیت اور وسعت معلوم کرنے کے لئے دفاعی اور اقدامی کی بحث سے زیادہ ضروری امر یہ ہے کہ اس حکم کی ”علت“ اور ”غایت“ کی تحقیق کی جائے۔

فقہاء کے ایک گروہ کا موقف یہ تھا کہ قتال کی علت ”کفر“ ہے۔ یہ قول امام شافعی اور بعض ظاہریہ و حنابلہ سے مروی ہے۔ (۲۹) اس قول کے بموجب کفر کا وجود جب تک باقی رہے گا قتال جاری رہے گا۔ لیکن اس قول پر چند قوی اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ نے صراحتاً عورتوں، بچوں اور دیگر غیر مقاتلین کے قتل سے منع فرمایا۔ اگر قتال کی علت کفر تھی تو اس استثناء کی کیا حیثیت ہوگی؟ مزید یہ کہ اگر قتال کی علت کفر ہو تو جنگ اس وقت تک جاری رہنی چاہیے جب تک کہ تمام کفار مسلمان نہ ہو جائیں، یہاں تک کہ ہتھیار ڈالنے والوں کے لئے بھی بس دو ہی راہیں ہوں گی؛ اسلام قبول کر لیں، نہیں تو انہیں قتل کیا جائے گا۔ اس طرح یہ قول بنیادی قرآنی اصول لا اکراہ فی الدین سے متصادم ہو جاتا ہے۔ نیز اس قول کے بموجب اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی اقامت اور ان سے جزیے کی وصولی بھی ناجائز ہو جاتی ہے۔

ان قباحتوں کے پیش نظر بعض لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ قتال کی علت ”کفر“ نہیں بلکہ ”شوکت کفر“ ہے۔ گویا غیر مسلموں کو ان کے دین پر عمل کی اجازت تو ہوگی مگر انہیں یہ حق نہیں حاصل ہوگا کہ وہ منظم ریاست کی صورت میں رہیں، اور قتال اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کفر کی شان و شوکت باقی ہے۔ جب اسلام اور مسلمانوں کی بالادستی قائم ہو جائے تو غیر مسلموں کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اسلامی ریاست کے زیر سایہ اپنے مذہب پر عمل کریں، انہیں اسلام قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جائے گا۔

ان دونوں اقوال کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ اسلامی ریاست غیر مسلم ریاست یا ریاستوں کے ساتھ مسلسل برسر جنگ رہے گی، امن کا معاہدہ اول تو کیا نہیں جائے گا، اور اگر کسی مصلحت یا ضرورت کے تحت کیا گیا تو وہ موقت ہوگا

جس کی حیثیت جنگ بندی (Armistice) کی ہوگی۔

جمہور فقہاء، جن میں امام ابوحنیفہ، امام مالک اور شافعیہ و حنابلہ کی اکثریت شامل ہے، کی رائے یہ ہے کہ قتال کی علت ”کفر“ یا ”شوکت کفر“ نہیں بلکہ ”محاربة“ (Aggression) ہے۔^(۳۰) اس قول کے بموجب قتال اس وقت تک جاری رہے گا جب تک مخالفین کی جانب سے محاربہ پایا جائے۔ جب وہ محاربہ ترک کر کے امن کے ساتھ رہنے پر آمادہ ہوں تو ان کے ساتھ جنگ نہیں کی جائے گی۔ اس قول کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ غیر مسلموں کے ساتھ امن کا معاہدہ جائز ہو، چاہے یہ معاہدہ موقت ہو یا وقت کی قید سے آزاد ہو۔ محاربے کے تحت مختلف صورتیں آتی ہیں۔ مثلاً اسلامی ریاست پر حملہ، یا حملے کی تیاری، حملہ آوروں کی مدد، امن معاہدے کی بنیادی شقوق کی خلاف ورزی، غیر مسلم ملک میں مقیم مسلمانوں پر مظالم بالخصوص انہیں دین پر عمل سے روکنا وغیرہ۔ اسی طرح اسلام کی ترویج و اشاعت کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنا بھی محاربے میں شمار ہوتا ہے اور اس کی بعض سنگین صورتوں میں جنگ جائز ہو جاتی ہے۔

جن لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ قتال کی علت ”کفر“ یا ”شوکت کفر“ ہے ان کا استدلال بنیادی طور پر تین طرح کا ہے: اولاً: ان آیات و احادیث سے استدلال جن میں کفر و اسلام کی مستقل جنگ کا ذکر ہے۔ مثلاً سورۃ الممتحنہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: **قد كانت لكم اسوة حسنة في ابراهيم و الذين معه**، **اذ قالوا القومهم انا براءؤ منكم و مما تعبدون من دون الله**، **كفرنا بكم**، **و بدال بيننا و بينكم العداوة و البغضاء ابدًا حتى تؤمنوا بالله وحده**۔^(۳۱)

”تم لوگوں کے لئے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے طرز عمل میں بہترین نمونہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے اور تمہارے ان معبودوں سے، جنہیں تم خدا کو چھوڑ کر پوجتے ہو، قطعی بیزار ہیں۔ ہم نے تم سے کفر کیا، اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے عداوت ہو گئی اور بیر پڑ گیا، جب تک تم اللہ واحد پر ایمان نہ لے آؤ۔“

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس طرح کی آیات سے استدلال انتہائی ضعیف ہے۔ کفر اور اسلام کی جنگ اعتقادی اور نظری سطح پر ہمیشہ سے جاری ہے اور قیامت تک جاری رہے گی۔ لیکن اس سے مستلزم نہیں آتا کہ مسلمانوں اور غیر مسلموں میں بھی مستقل جنگ کا سلسلہ جاری رہے۔ اسی سورۃ الممتحنہ میں آگے ارشاد ہوا ہے:

لا ينهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم في الدين و لم يخرجوكم من دياركم ان تبرؤهم و تقسطوا اليهم، **ان الله يحب المقسطين**۔^(۳۲)

”اللہ تمہیں اس بات سے نہیں روکتا کہ تم ان لوگوں سے نیکی اور انصاف کا برتاؤ کرو جنہوں نے دین کے معاملے میں تم سے جنگ نہیں کی اور تمہیں تمہارے گھروں سے نہیں نکالا۔ یقیناً اللہ انصاف کرنے والوں سے محبت کرتا ہے۔“

اسی طرح سورۃ النساء میں ارشاد ہوا ہے: فَانْ عَتِزْ لَوْ كُمْ فَلَمْ يَقاتِلُوْكُمْ وَ اتَّقُوا الْيَكْمَ السَّلْمَ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ سَبِيْلًا (۳۳) ”پس اگر وہ تم سے کنارہ کش ہو جائیں اور لڑنے سے باز رہیں اور تمہاری طرف صلح کا ہاتھ بڑھائیں تو اللہ نے تمہارے لئے ان سے لڑنے کی کوئی سبیل نہیں رکھی ہے۔“

ثانیاً: ان آیات و احادیث سے استدلال جن میں قتال کے فریضے کا مطلقاً ذکر آیا ہے۔ مثلاً سورۃ التوبہ میں حکم ہوا ہے: قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْكُمْ مِنَ الْكُفْرِ وَ لِيَجِدُوْا فِيْكُمْ غُلْظَةً (۳۴)

”اے ایمان والو! جنگ کرو ان کفار سے جو تمہارے قریب ہیں، اور چاہیے کہ وہ تمہارے اندر سختی پائیں۔“

لیکن دوسری طرف وہ آیات ہیں جو قتال کے حکم کو محاربے کے ساتھ مقید کر دیتی ہیں۔ مثلاً سورۃ البقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَ قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يَقاتِلُوْكُمْ، وَ لَا تَعْتَدُوا، اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ (۳۵) ”اور تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں مگر زیادتی نہ کرو، کیونکہ اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔“

ایسی صورت میں کہا جاتا ہے کہ سورۃ التوبہ کی آیات نے سورۃ البقرہ کی آیات کو منسوخ کر دیا ہے۔ لیکن یہ دلیل انتہائی ضعیف ہے کیونکہ نسخ کی طرف تبھی جایا جاتا ہے جب جمع ممکن نہ ہو، جبکہ یہاں حمل المطلق علی المقید کے قاعدے پر جمع ممکن ہے۔ اور پھر سورۃ البقرہ کی آیات کس طرح منسوخ ہو سکتی ہیں جبکہ وہ قتال کی علت بیان کر رہی ہیں؟

ثالثاً: رسول اللہ ﷺ نے کفار کے ساتھ جو جنگیں لڑیں ان سے استدلال کیا جاتا ہے کہ اسی طرح ہر دور کے کفار کے ساتھ اس وقت تک جنگ لڑی جائے گی جب تک کہ وہ اسلامی ریاست کے ماتحت زندگی بسر کرنے پر آمادہ نہ ہوں۔ مگر یہ استدلال بھی صحیح نہیں ہے کیونکہ، جیسا کہ پچھلی سطور میں تفصیل سے واضح کیا گیا، یہ رسول کے براہ راست مخاطبین کے لئے ایک مخصوص معاملہ تھا اور اس کا عام جنگوں اور جہاد کے ساتھ کوئی تعلق نہیں۔ یقیناً رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کی جنگوں میں محاربے کے ساتھ ساتھ شوکت کفر کی علت بھی کارفرما تھی۔ بلکہ جن پر رجعت تمام ہو چکی اور پھر بھی وہ کفر کی ایک خاص قسم، شرک، پر قائم رہے تو ان کے لئے تو آخری حکم قتل ہی کا تھا۔ تاہم بعد کے ادوار کے لئے قتال کی علت محاربہ ہی ہے اور اس کی غایت محاربے کا خاتمہ ہے۔

امام رخسی فرماتے ہیں: وَ الْمُقْصُوْدُ اَنْ يَّامُنَ الْمُسْلِمُوْنَ وَ يَتِمَكَّنُوْا مِنَ الْقِيَامِ بِمُصَالِحِ دِيْنِهِمْ وَ دُنْيَاهُمْ (۳۶)

”اور مقصود یہ ہے کہ مومن امن سے رہیں اور ان کے لئے اپنے دین اور دنیا کے مصالح کا حصول ممکن ہو سکے۔“

اس موقف پر یہ اعتراض کیا گیا کہ جہاد کا مقصد دنیا کا حصول نہیں ہے۔

الجهاد ماض منذ بعثنى الله الى ان يقاتل آخر امتى الدجال، لا يبطله

جور جائز ولا عدل عادل۔ (۳۷)

”جہاد جاری ہے جب سے مجھے اللہ نے بھیجا ہے یہاں تک کہ میری امت کے آخری لوگ دجال سے جنگ

کریں، اسے ظالم کا ظلم باطل کر سکے گا نہ عادل کا عدل۔“

یہ اعتراض کئی وجوہ سے بے وزن ہے۔ اولاً تو ابوداؤد کے ترجمۃ الباب (باب فسی الغزو مع ائمة الجور) سے واضح ہوتا ہے کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جہاد ہر حکمران کی اطاعت میں کیا جائے گا۔ یہ نہیں کہا جائے گا کہ فلاں حکمران فاسق ہے اس لئے اس کی اطاعت میں جہاد نہیں کیا جائے گا، بلکہ جب بھی جہاد کا سبب پایا جائے گا جہاد کیا جائے گا، چاہے جہاد کے لئے بلانے والا حکمران ظالم ہو یا عادل ہو۔ ایک اور روایت میں یہی یوں کہی گئی ہے:

الجهاد واجب مع كل امير برا كان او فاجرا۔ (۳۸)

”جہاد ہر امیر کے ساتھ، چاہے وہ نیک ہو یا بد، واجب ہے“

نیز یہ حدیث دیگر کئی آیات و احادیث کی طرح جہاد کی فرضیت بیان کر رہی ہے۔ اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے کہ جہاد کی فرضیت تا قیامت قائم رہے گی اور منسوخ نہیں ہوگی۔ لیکن اس سے یہ مراد نہیں کہ مسلمان ایک مسلسل جنگ (Perpetual War) جاری رکھیں، چاہے کوئی ان سے جنگ کرے یا نہ کرے، اور چاہے کسی نے محاربے کا ارتکاب کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ بلکہ جب بھی قتال کا سبب پایا جائے گا قتال کیا جائے گا۔ مثلاً صلوٰۃ و زکوٰۃ کی فرضیت بھی تا قیامت قائم رہے گی، مگر اس پر عمل تبھی ہوگا جب فرضیت کا سبب پایا جائے گا (مثلاً نماز ظہر کے لئے زوال شمس، یا زکوٰۃ کے لئے نصاب کے برابر مال کی ملکیت)۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث میں رسالت کی ابتدا سے ”جہاد“ کا ذکر ہے، اور معلوم ہے کہ مکی دور میں جہاد کا لفظ وسیع مفہوم میں استعمال ہوتا تھا۔ پس حدیث میں اسی وسیع مفہوم میں جہاد کے جاری رہنے کا ذکر ہے۔ البتہ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جہاد کی خاص اور اعلیٰ قسم، قتال، کا سبب ہوگا تو قتال بھی جاری رہے گا۔ پس قیامت سے کچھ قبل بھی مومن دجال کے خلاف قتال کریں گے۔

پھر اگر اس حدیث کا یہ مفہوم لیا جائے کہ جہاد بمعنی قتال کی کاروائی تا قیامت بغیر کسی انقطاع کے جاری رہے گی تو اس سے مراد یہ بھی ہو سکتا ہے کہ دنیا میں قتال کے اسباب یعنی محاربے کی مختلف صورتیں قیامت تک موجود رہیں گی اس لئے قتال بھی جاری رہے گا۔ گویا اس حدیث کی حیثیت پیش گوئی کی ہو جائیگی۔ کسی بھی آیت یا حدیث کو اس کے مخصوص سیاق و سباق اور دیگر آیات و احادیث کے ذخیرے سے الگ کر کے نہیں دیکھا جاسکتا۔

رابعاً: حکم جہاد کی نوعیت

جہاد کی مختلف صورتوں کا حکم مختلف ہوگا۔ مجاہدۃ النفس جو جہاد کے وسیع مفہوم میں داخل ہے فرض عین ہے۔ اجتہاد فرض

کفائی ہے۔ قتال عام حالات میں فرض کفائی ہے جبکہ بعض اوقات (مثلاً نفیر عام کی صورت میں) یہ فرض عینی ہو جاتا ہے۔ دراصل ہر فرض کفائی عام حالات میں ہی فرض کفائی ہوتا ہے۔ مخصوص حالات میں فرض کفائی فرض عین میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ مثلاً ڈو بجے شخص کو بچانے کے لئے اگر تین بندے موجود ہوں اور بچانے کے لئے ایک بھی کافی ہو تو ان تینوں کے لئے یہ فرض کفائی ہوگا، اور ان میں جو بھی یہ فریضہ ادا کرے تو باقیوں کے ذمے سے فرض ساقط ہو جائے گا، اور اگر کسی نے بھی فرض ادا نہیں کیا تو تینوں گنہگار ہوں گے۔ تاہم اگر بچانے کے لئے ایک ہی شخص ہو تو اس کے لئے یہ فرض عینی ہو جائے گا۔

بعینہ اسی طرح اگر کافی لوگ قتال کا فریضہ ادا کر رہے ہوں تو اس فریضے کی حیثیت فرض کفائی کی ہوگی۔ ایسی صورت میں عورت اپنے شوہر یا ولی کی اجازت کے بغیر اور مرد اپنے والدین کی اجازت کے بغیر قتال کے لئے نہیں جاسکتے۔ البتہ جب قتال کی حیثیت فرض عینی کی ہو جائے تو پھر کسی سے اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ بلکہ ایسی صورت میں اگر ماں باپ جہاد سے روکیں تو ان کا حکم نہیں مانا جائے گا، جیسا کہ اس صورت میں بھی ماں باپ کا حکم نہیں مانا جاسکتا جب وہ صلوة کی ادائیگی سے روکیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ماں باپ اور دیگر انسانوں کی اطاعت اس وقت تک ہی جائز ہوتی ہے جب تک انکی اطاعت اللہ اور اس کے رسول کی معصیت کا ذریعہ نہ بنے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

لا طاعة لمخلوق في معصية الله عز وجل (۲۹)

”جس معاملے میں اللہ عزوجل کی نافرمانی ہوتی ہو اس میں کسی مخلوق کی اطاعت جائز نہیں ہے۔“

اذن امام کی شرط اور جہادی تنظیموں کی حیثیت

جہاد کی فرضیت کا سبب اور علت تو یقیناً محاربہ ہے۔ البتہ اس کے لئے کئی شرائط ہیں جن کی موجودگی میں ہی یہ فرضیت عائد ہوگی۔ شرط مفقود ہو تو مشروط بھی مفقود ہوتا ہے (اذا فات الشرط ففات المشروط)۔ البتہ بسا اوقات شریعت نے کسی شرط کی عدم موجودگی میں اس کے ”بدل“ کا تصور دیا ہے۔ اور اس ”بدل“ کی موجودگی شرط ہی کی موجودگی تصور ہوتی ہے، چنانچہ فرضیت بدل کی موجودگی میں بھی قائم رہتی ہے اور بدل کے ذریعے ادائیگی بھی صحیح تصور ہوتی ہے، یعنی فرض ذمے سے ساقط ہو جائے گا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ نماز کی صحت کے لئے وضوء شرط ہے۔ البتہ پانی کی عدم دستیابی یا کسی اور شرعی عذر کی بناء پر تیمم وضوء کا بدل اور قائم مقام بن جاتا ہے۔ ایسی صورت میں تیمم کے ذریعے صلوة کی ادائیگی نہ صرف صحیح بلکہ شرعاً مطلوب ہوتی ہے۔

اسی طرح جہاد کی ادائیگی کی صحت کے لئے بنیادی شرط یہ ہے کہ وہ حکومت اور نظم اجتماعی کے ماتحت رہ کر کیا جائے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے: الغزو غزوان - فاما من ابتغى وجه الله و

طاع الأمام و اتفق الكريمة و اجتناب الفساق فان نومه و نيلته اجر كله و اما من غزا

ریاء و سمعة و عصی الامام و افسد فی الارض فانه لا یرجع بالکفاف۔ (۲۰)

”جنگیں دو قسم کی ہیں: جس شخص نے خاص اللہ کی خوشنودی کیلئے جنگ کی، امام کی اطاعت کی، اپنا بہترین مال خرچ کیا اور فساد سے اجتناب کیا اس کا سونا اور جاگن سب اجر کا مستحق ہے۔ اور جس نے دکھاوے اور شہرت کے لئے جنگ کی، امام کی نافرمانی کی اور زمین میں فساد پھیلایا تو وہ برابر بھی نہیں چھوٹے گا۔“
ایک اور موقع پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

من اطاعنی فقد اطاع الله، و من یطع الامیر فقد اطاعنی، و من یعص الامیر فقد عصانی۔ و انما الامام جنة یقاتل من ورآئه و یتقی به۔ فان امر بتقوی الله و عدل فان له بذلک اجرا، و ان قال بغيره فان علیه منه۔ (۲۱)

”جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی، اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی، اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ امام تو ڈھال ہے جس کے پیچھے رہ کر جنگ کی جاتی ہے اور جس کے ذریعے اپنا بچاؤ کیا جاتا ہے۔ پس اگر وہ اللہ سے ڈرنے کا حکم دے اور عدل کرے تو اس سب کا اجر اسے ملے گا، اور اگر وہ اس کے سوا کچھ اور حکم دے تو اس کا وبال بھی اس پر آئے گا۔“
رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی واضح فرمایا کہ حاکم چاہے اچھا ہو یا برا جہاد اسی کی امارت میں کیا جائے گا:

الجهاد واجب مع کل امیر برا کان او فاجرا۔ (۲۲)

”جہاد ہر امیر کے ساتھ، چاہے وہ نیک ہو یا بد، واجب ہے“

ایک اور موقع پر فرمایا:

لا یدخل الجنة الا نفس مسلمة و ان الله لیؤید هذا الدین بالرجل الفاجر (۲۳)

”جنت میں صرف مومن ہی داخل ہونگے، البتہ اللہ تعالیٰ اس دین کی مدد کسی فاجر شخص سے بھی کرتا ہے“

اسی بناء پر تمام فقہاء نے قرار دیا کہ جہاد حکمران کی اطاعت میں کیا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ کے عظیم المرتبت شاگرد اور اپنے عہد کے چیف جسٹس امام ابو یوسف نے صراحتاً قرار دیا ہے کہ کوئی جہادی کاروائی حکمران یا اس کے نائب کی اجازت کے بغیر نہیں کی جائے گی۔

لا تسری سرية بغير اذن الامام۔ (۲۴)

”کوئی لشکر کشی امام کی اجازت کے بغیر نہیں کی جائے گی۔“

مشہور جنابی فقیہ ابن قدامہ کا قول ہے: و امر الجهاد موکول الى الامام و اجتہاده، و یلزم

الرعیة طاعته فیما یرامی ذلک۔ (۲۵) © rasailojaraid.com

”جہاد کا معاملہ امام اور اس کے اجتہاد کے حوالے ہے، اور وہ اس معاملے میں جو فیصلہ کرے رعیت پر لازم ہے کہ اس کی اطاعت کرے۔“

بلکہ امام ابو حنیفہ کے دوسرے اہم شاگرد امام محمد بن الحسن الشیبانی، جو اسلام کے بین الاقوامی قانون کے اولین مدونین اور ماہرین میں تھے، نے تو صراحت کی ہے کہ ہم اسی قاعدے کو غیر مسلموں پر بھی لاگو کریں گے۔ چنانچہ اگر کسی غیر مسلم ملک کے چند افراد نے اسلامی ملک کے کسی علاقے پہ حملہ کیا تو حملہ آوروں کے خلاف تو کارروائی کی جائے گی لیکن اسے اس ملک کی جانب سے حملہ اس وقت تک نہیں تصور کیا جائے گا جب تک یہ ثابت نہ ہو کہ یہ حملہ اس ملک کی حکومت کی اجازت سے ہوا ہے۔ امام کا سانی اسی اصول کی بنیاد پر قرار دیتے ہیں کہ اگر غیر مسلم ملک کے چند باشندے اسلامی ملک کے ساتھ کیے گئے معاہدہ امن کی خلاف ورزی کر لیں تو ان کے خلاف تو کارروائی کی جائے گی لیکن اسے اس ملک کی جانب سے معاہدے کے خاتمے کا اعلان صرف اسی صورت میں قرار دیا جائے گا جب یہ ثابت ہو کہ یہ کارروائی وہاں کی حکومت کی اجازت یا ایماء پر ہوئی تھی۔ گویا وہاں کی حکومت اس کارروائی میں ملوث نہ ہو تو اس کے ساتھ اور وہاں کی باقی رعایا کے ساتھ امن کا معاہدہ بدستور برقرار رہے گا۔ (۳۶)

یہ قاعدہ اور اصول کہ جنگی کارروائی حکومتی نظم کے تحت ہو صرف حملے ہی کے لئے نہیں بلکہ دفاع میں بھی اصول یہی ہے۔ جب مسلمان ملک پر حملہ ہو تو حکومت ہی مدافعت کرے گی اور وہی مختلف محاذوں پر فوجیں بھیجے گی۔ اسی طرح حکومت ہی غیر عام کافر فیضہ ادا کرے گی، یعنی وہی اعلان کرے گی کہ سارے ہی لوگ دفاع کے لئے اٹھ جائیں۔ (۳۷) مزید برآں فقہاء نے اس کی بھی صراحت کی ہے جنگ سے متعلق دیگر جتنے امور ہیں۔۔۔ جیسے مقبوضہ علاقوں اور آبادی نیز جنگی قیدیوں کے مستقبل کے متعلق فیصلہ، جنگ بندی یا مستقل امن کا معاہدہ طے کرنا وغیرہ۔۔۔ تو یہ سب حکومت کے کرنے کے کام ہیں۔ (۳۸)

البتہ یہاں دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے: ایک یہ کہ موجودہ دور میں اس شرط سے عام طور پر نتیجہ یہ اخذ کیا جاتا ہے کہ یہ حکومت کا حق (Prerogative) ہے، جبکہ اس کے برعکس فقہاء جہاد کو حکومت کا فریضہ قرار دیتے ہیں۔ ظاہر ہے فریضے کو حق میں تبدیل کرنے سے پورا مفہوم اور مدعا ہی بدل جاتا ہے۔

دوسرے یہ کہ بعض استثنائی صورتیں ایسی ہیں جن میں یہ شرط ساقط ہو جاتی ہے، یا تو اس وجہ سے کہ اس شرط پر عمل ممکن ہی نہیں رہ جاتا اور یا اس وجہ سے کہ اس شرط کا شرعی بدل موجود ہوتا ہے۔ ان صورتوں کی کچھ وضاحت یہاں کی جاتی ہے۔

اولاً: اچانک حملہ اور حق دفاع شخصی

اگر حملہ اچانک ہو اور مرکزی حکومت اس کے ساتھ رابطہ ممکن نہ ہو، یا اس میں بہت سخت نقصان

کا اندیشہ ہو تو پھر حملہ کی زد میں آئے ہوئے لوگ خود ہی مدافعت کا فرض ادا کریں گے اور ان کے لئے حکومت یا کسی بھی شخص کی اجازت ضروری نہیں ہوگی۔ اس کا ایک سبب تو وہی ہے جو پیچھے ذکر ہوا کہ ایسی صورت میں دفاع کا فریضہ فرض عینی کی حیثیت حاصل کر لیتا ہے، اور فرض عینی کی ادائیگی میں کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ دوسرا سبب اس کا یہ ہے کہ ایسی صورت میں دفاع صرف فریضہ ہی نہیں بلکہ حق بھی ہوتا ہے۔ اپنی جان، مال اور عزت بچانا ہر شخص کا حق ہے اور حملہ آور کے خلاف اس کے حملے کو روکنے اور خطرہ دفع کرنے کے لئے طاقت کا استعمال بھی ہر انسان کا حق ہے۔ اس لئے اس سلسلے میں کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اس کی ایک مثال حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ کی کاروائی ہے جو انہوں نے اچانک حملہ کرنے والوں کے خلاف کی تھی اور جس کے لئے انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے موقع پر یا پیشگی اجازت نہیں لی تھی۔ (۳۹)

ثانیاً: حکومت کی خاموش تائید جو اجازت کے قائم مقام ہو جاتی ہے

بعض اوقات کسی فرد یا جتھے کو حکومت باقاعدہ اجازت نہیں دیتی کہ وہ جا کے مخالفین کے خلاف فوجی کاروائی کرے۔ تاہم حکومت کے مختلف اقدامات، بلکہ بعض اوقات اس کی خاموشی بھی، اجازت کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔ اس اجمال کی تفصیل امام سرخی نے یوں بیان کی ہے کہ مخالفین کے خلاف کاروائی کرنے والے چار طرح کے ہو سکتے ہیں: یا تو وہ ایک یا چند ہی افراد ہوں گے جو کچھ خاص فوجی اور سیاسی طاقت (منعۃ) نہ رکھتے ہوں؛ یا وہ ایک مضبوط جتھے کی صورت میں جو منعۃ رکھتے ہوں کاروائی کریں گے۔ پھر ہر دو صورتوں میں انہیں یا تو حکومت کی اجازت حاصل ہوگی یا نہیں ہوگی۔

(۱) پس اگر وہ چند ہی لوگ ہوں جو منعۃ نہ رکھتے ہوں اور انہیں حکومت کی اجازت بھی حاصل نہ ہو تو سرخی کے الفاظ میں ان کی حیثیت چوروں اور ڈاکوؤں کی ہوگی۔ اگر وہ وہاں پھنس جائیں تو مسلمانوں کی حکومت پر ان کی مدد واجب نہیں ہوگی اور اگر وہ کچھ مال حاصل کر لیں تو اسے مال غنیمت کی حیثیت بھی حاصل نہیں ہوگی، کیونکہ مال غنیمت اس مال کو کہا جاتا ہے جو اعداء کلمۃ اللہ کی راہ میں مل جائے اور جسے مقصود اصلی کی حیثیت حاصل نہ ہو۔

(۲) اگر وہ چند ہی لوگ ہوں اور انہیں حکومت نے اجازت دی ہو تو ان کی حیثیت حکومت کے نمائندوں یا جاسوسوں یا چھاپہ مار دستوں کی سی ہوگی۔ ان کی مدد بھی حکومت پر واجب ہوگی اور انہیں جو مال وغیرہ ملے تو اس کی حیثیت مال غنیمت کی ہوگی۔

(۳) اگر بہت سارے لوگ جو منعۃ بھی رکھتے ہوں حکومت کی اجازت سے دوسرے ملک میں کاروائی کریں تو ان کی حیثیت فوج کے مختلف دستوں کی ہوگی۔ حکومت پر ان کی نصرت واجب ہوگی اور جو مال وہ حاصل کریں وہ مال غنیمت متصور ہوگا۔

(۴) اگر بہت سارے لوگ جو منعہ بھی رکھتے ہوں دوسرے ملک میں کاروائی کریں لیکن انہیں حکومت نے باقاعدہ صریح اجازت نہ دی ہو تب بھی قانوناً پوزیشن یہی ہوگی کہ ان کی حیثیت فوج کے مختلف دستوں کی ہوگی۔ اس کی وجہ سرخی نے یہ ذکر کی ہے کہ ایک مضبوط جتھا جو فوجی اور سیاسی طاقت اور شوکت کا حامل ہو اور وہ کاروائی کے لئے اسلامی ملک سے کسی دوسرے ملک جاتا ہے تو یہ حکومت کے علم میں آئے بغیر نہیں ہو سکتا، اور جب حکومت نے باوجود علم کے انہیں جانے دیا تو یہ اس کی جانب سے خاموش تائید ہے جو صریح اجازت کے قائم مقام ہو جاتی ہے۔ اس لئے حکومت پر ان کی نصرت بھی واجب ہوگی اور جو مال وہ حاصل کریں وہ مال غنیمت ہی متصور ہوگا۔ (۵۰)

ہمارے نزدیک سرخی کا یہ تجزیہ بالکل صحیح ہے اور اس کی روشنی میں جہادی تنظیموں کی صحیح حیثیت بہ آسانی متعین ہو جاتی ہے۔ جب حکومت نہ صرف یہ کہ لوگوں کو مسلح تنظیمیں بنانے کا موقع دیتی ہے، بلکہ انہیں ہر قسم کی سہولیات بھی فراہم کرتی ہے۔۔۔ ان کی ٹریننگ، ان تک اسلحہ کی فراہمی، ان کی سرحد پار کاروائی کرنا اور پھر واپس ملک لوٹ آنا۔۔۔ جب ان میں سے ہر مرحلہ حکومت کی تائید اور نگرانی میں طے پاتا ہو تو پھر صریح اجازت محض ایک کاغذی کاروائی (Formality) ہو جاتی ہے۔ اس کاغذی کاروائی کے بغیر بھی قانونی پوزیشن یہی ہوگی کہ ان مسلح تنظیموں کی کاروائیاں حکومت کی اجازت سے ہی متصور ہوں گی۔

ثالثاً: اسلامی حکومت کی عدم موجودگی میں حق دفاع شخصی کے لئے منظم جدوجہد

جیسا کہ پیچھے اشارہ کیا گیا، کبھی کبھار شرط کی عدم موجودگی میں اس کا بدل اس کا قائم مقام بن جاتا ہے۔ اس اصول پر اگر کبھی اسلامی ملک پر حملے کے نتیجے میں وہاں کی حکومت کا عملاً خاتمہ ہو جائے اور ابھی جنگ جاری ہو تو دفاع کا فریضہ ادا کرنے کے لئے کسی جگہ باقاعدہ نظم حکومت قائم کرنے کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ مزاحمت کرنے والے آپس میں کسی کو امیر چن کر اس کی اطاعت کا اقرار کریں تو یہ حکومت کا بدل ہو جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حکومت اور ریاست بذات خود مقصد نہیں، بلکہ فریضہ دفاع و اعداء کلمۃ اللہ کے اچھے طریقے سے انجام دینے کے لئے ایک ذریعہ ہیں۔ اسی طرح وہ لوگ جو کسی ظالمانہ نظام سے آزادی چاہتے ہوتا کہ اپنے حقوق کا تحفظ کریں تو ان پر بھی ریاست و حکومت کے تحت لڑنے کی شرط لاگو نہیں ہوتی، بلکہ وہ تو لڑیں گے ہی اس مقصد کے لئے کہ اپنی ریاست اور حکومت قائم کر سکیں۔ یہ حق انہیں موجودہ بین الاقوامی قانون نے بھی دیا ہے اور شریعت نے بھی۔ (۵۱) امام سرخی نے لکھا ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم قوم مسلمانوں کے ملک پر حملہ کرے اور حملہ آور قوم کے ملک میں چند مسلمان عارضی یا مستقل طور پر مقیم ہوں تو ان پر جہاد کا فریضہ عائد نہیں ہوتا۔ جہاد اور نصرت کا فریضہ اصلاً اسلامی ملک میں مقیم مسلمانوں پر ہی عائد ہوتا ہے۔ یہ حکم اس وقت بھی ہوگا جب حملہ آور مسلمان مردوں کو قیدی بنائیں۔ تاہم اگر وہ مسلمان عورتوں اور بچوں کو قید کریں تو اب ان کا چھڑانا ہر اس مسلمان پر فرض ہے جو اس کے لئے جدوجہد کی استطاعت رکھتا ہو، چاہے وہ غیر مسلم

ملک میں ہی مقیم ہو۔ (۵۲) ایسی صورت میں اگر وہ مسلح کارروائی کریں گے تو اس کے لئے یہ ضروری نہیں ہوگا کہ وہ پہلے باقاعدہ حکومت قائم کریں، بلکہ اتنا ہی کافی ہوگا کہ وہ منظم ہو کر امیر کی اطاعت میں جنگ کریں۔ اس نکتے کی مزید وضاحت آگے آزادی کی تحریکوں کی شرعی حیثیت پر بحث کے ضمن میں آئے گی۔

مقدرت کی شرط

جہاد کے حوالے سے ایک اہم بحث قدرت واستطاعت کی ہے۔ ہر شرعی فریضے کی طرح جہاد کے لئے بھی مقدرت شرط ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَا يَكْلَفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا۔ (۵۳)

”اللہ کسی نفس پر اس کی مقدرت سے زیادہ ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالتا۔“

عدم قدرت ہی کی وجہ سے ناپید اور دوسرے معذور افراد پر قتال کا فریضہ عائد نہیں ہوتا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

لَيْسَ عَلَى الضَّعَفَاءِ وَلَا عَلَى الْمَرْضَىٰ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يَنْفِقُونَ حَرَجٌ إِذَا نَصَحُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ، مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ، وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ (۵۴)

”ضعیف اور بیمار لوگ اور وہ لوگ جو جہاد میں شرکت کے لئے راہ نہیں پاتے اگر پیچھے رہ جائیں تو کوئی حرج نہیں جبکہ وہ خلوص دل سے اللہ اور اس کے رسول کے وفادار ہوں۔ ایسے محسنین پر کوئی الزام نہیں۔ اور اللہ بخشنے والا رحم کرنے والا ہے۔“

البتہ عدم قدرت کے لئے کوئی لگا بندھا اصول نہیں ہے کیونکہ حالات میں تبدیلی کے ساتھ حکم بھی تبدیل ہوتا ہے، نیز مختلف زمانوں میں جنگ کے طریقے بھی تبدیل ہوتے رہتے ہیں اور آلات حرب اور ہتھیاروں کی نوعیت بھی وقت کے ساتھ بدلتی رہتی ہے۔ اس لئے عین ممکن ہے کہ ایک زمانے میں ایک شخص قتال کے نااہل سمجھا گیا ہو اور دوسرے زمانے میں وہی شخص قتال کی قدرت رکھتا ہو، اور اس کے برعکس بھی ہو سکتا ہے۔ مذکورہ بالا آیت کریمہ میں معذورین سے رفع حرج کے ذکر کے ساتھ اِذَا نَصَحُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ کی قید لگی ہوئی ہے۔ اس سے معلوم یہ ہوا کہ قتال سے رہ جانے والوں سے یہ مطالبہ برقرار رہے گا کہ ان کی ہمدردیاں جنگ میں حصہ لینے والوں کے ساتھ ہوں۔ وہ جنگ میں عملی شرکت نہیں کر سکتے تو مالی امداد اے کر ہی حصہ ڈالیں، مقاتلین کے اہل و عیال کا خیال رکھیں، دعاؤں میں مجاہدین کو یاد رکھیں، کم از کم دل میں تمنا رکھیں کہ کاش وہ بھی اس عظیم فریضے کے ادا کرنے کے اہل ہوتے اور اس فریضے کے ادا کرنے سے قاصر رہ جانے پر انہیں افسوس ہو۔

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا اتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ قُلْتَ لَا أَجِدُ مَا أَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَلَّوْا وَعَيْنُهُمْ تَفِيضٌ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَا يَنْفِقُونَ، إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَستَازِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنَاءُ، رَضُوا بِأَن يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ

لا یعلمون۔ (۵۵)

”اور ان لوگوں پر بھی کوئی الزام نہیں جنہوں نے خود آ کر تم سے درخواست کی تھی کہ ہمارے لئے سواریاں بہم پہنچائی جائیں تو تم نے کہا کہ میں تمہارے لئے سواریوں کا انتظام نہیں کر سکتا، پھر وہ واپس مجبور الوٹے اس حال میں کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اس رنج کی وجہ سے کہ وہ اپنے خرچ پر جہاد میں شرکت کی قدرت نہیں رکھتے۔ البتہ اعتراض ان لوگوں پر ہے جو مالدار ہوتے ہوئے بھی پیچھے رہ جانے کے لئے تم سے اجازت طلب کرتے ہیں۔ وہ اس پر خوش ہوئے کہ گھر بیٹھے والیوں کے ساتھ بیٹھ رہیں، اور اللہ نے ان کے دلوں پر ٹھہر لگا دیا، پس اب یہ اپنی شامت اعمال کے متعلق کچھ نہیں جانتے۔“ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

من مات ولم يغزو ولم يحدث به نفسه مات على شعبة من نفاق۔ (۵۶)

”جو اس حال میں مرا کہ نہ اس نے جنگ کی، نہ ہی اس کے دل میں جنگ میں شرکت کا خیال آیا تو وہ نفاق کے ایک شعبے پہ مرا۔“

اس کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ مسلمان فرد اور مسلمان امت دونوں انفرادی اور اجتماعی حیثیتوں میں قتال کے فریضے کی تیاری کریں اور دفاع کے لئے ہر وقت چوکس رہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خذُوا حِذْرَكُمْ فَانفِرُوا ثُبَاتٍ أَوْ بَعَادٍ جَمِيعًا، وَ إِنْ مِنْكُمْ لَمَنْ لَيْبِطُنَّ۔ (۵۷)

”اے ایمان والو! دشمنوں کے مقابلے کے لئے ہر وقت چوکس رہو، پھر جیسا موقع ہو الگ الگ ٹولیوں کی صورت میں نکلو یا اکٹھے ہو کر۔ ہاں تم میں بعض ایسے بھی ہیں جو لڑائی سے جی چراتے ہیں۔“

وَ اعِدُوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَ مِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تَرْهَبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَ عَدُوَّكُمْ وَ آخِرِينَ مِنْ دُونِهِمْ، لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ، وَ مَا تَنْقِفُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ وَ أَنْتُمْ لَا تَظْلَمُونَ۔ وَ إِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَ تَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ، إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ۔ (۵۸)

”اور جہاں تک تمہارا بس چلے زیادہ سے زیادہ طاقت اور تیار بندھے رہنے والے گھوڑے ان کے مقابلے کے لئے مہیا رکھو تا کہ ان کے ذریعے اللہ کے اور اپنے دشمنوں کو اور ان دوسرے اعدا کو خوفزدہ کرو جنہیں تم نہیں جانتے مگر اللہ جانتا ہے۔ اور اللہ کی راہ میں جو کچھ تم خرچ کرو گے وہ پورا پورا تم کو لوٹا دیا جائے گا اور تم پر ذرہ برابر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر دشمن صلح کی طرف مائل ہوں تو تم بھی اس کے لئے آمادہ ہو جاؤ، اور اللہ پر بھروسہ رکھو، یقیناً وہی سب

ان آیات میں مومنوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہمہ وقت جو کس رہیں اور دفاع کے فریضے کی اس شان سے تیاری کریں کہ ان کے ظاہری اور چھپے ہوئے دشمن انہیں دیکھ کر حملے کی ہمت ہی نہ کریں۔ ساتھ ہی کہا گیا ہے کہ اگر دشمن صلح کرنا چاہے تو آپ اس کی پیشکش قبول کیجیے اور اللہ پر بھروسہ کیجیے۔ گویا مومن دوسروں پر جنگ مسلط نہیں کریں گے لیکن اپنے دفاع سے غافل بھی نہیں رہیں گے۔ وہ اس سلسلے میں اپنی مقدور بھر کوشش کریں گے اور ساتھ ہی اللہ کی مدد کا یقین بھی رکھیں گے۔ پس قدرت کی شرط کا یہ مطلب نہیں کہ عدم قدرت کا بہانہ بنا کر جہاد اور دفاع کے فریضے کی ادائیگی کی فکر ہی چھوڑ دیں۔ بلکہ اس شرط کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ مسلمان امت میں اجتماعی طور پر بھی اور ہر فرد کی سطح پر بھی اس فریضے کی ادائیگی کی کوششیں جاری رہیں۔

عدم قدرت کی صورت میں قتال کا فریضہ عائد نہیں ہوتا لیکن، جیسا کہ پیچھے بیان ہوا، قدرت کے ناپنے کیلئے کوئی خاص پیمانہ وضع نہیں کیا گیا۔ بعض لوگ سورۃ الانفال کی آیت سے استدلال کرتے ہیں کہ اگر دشمن کی تعداد مومنوں کی بہ نسبت دو گنی سے زیادہ ہو تو قتال فرض نہیں ہوتا۔ یہ استدلال کئی وجوہ سے غلط ہے۔ اولاً تو آیت میں اس کا بیان نہیں ہو رہا کہ مومنوں اور دشمنوں میں کیا نسبت ہو تو قتال کا فریضہ عائد نہیں ہوتا بلکہ بیان یہ ہو رہا ہے کہ اگر دشمنوں کی تعداد دو گنی بھی ہو تو مومن میدان جنگ سے فرار اختیار نہیں کر سکتے، انہیں یقین ہونا چاہیے کہ اللہ انہیں غلبہ دے سکتا ہے

الآن خفف الله عنكم و علم ان فيكم ضعفاء فان يكت منكم مائة صابرة يغلبوا مائتين، و ان يكت منكم الف يغلبوا الفين باذن الله، و الله مع الصابرين۔ (۵۹)

”اب اللہ نے تمہارا ابو جہ ہلکا کیا اور جان لیا کہ تم میں کمزوری ہے۔ پس اگر تم میں سے سو آدمی ثابت قدم ہوں تو وہ دو سو پر اور ہزار ہوں تو دو ہزار پر اللہ کے اذن سے غالب آئیں گے۔ اور اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو ثابت قدم ہوں۔“

بارہا ایسا ہوا ہے کہ تعداد میں کم لوگ بہت بڑی لشکروں پر غالب ہو گئے ہوں۔ مسلمانوں کی تاریخ ایسی مثالوں سے بھری پڑی ہے۔

کم من فئة قليلة غلبت فئة كثيرة باذن الله۔ (۶۰)

”بارہا ایسا ہوا ہے کہ ایک قلیل گروہ ایک بڑے گروہ پر اللہ کے اذن سے غالب آیا ہے۔“

سورۃ الانفال کی آیت سے زیادہ سے زیادہ یہ استدلال ہو سکتا ہے کہ اگر دشمنوں کی تعداد دو گنی سے بھی زائد ہو تو پھر مومن قتال کی کارروائی موخر کر سکتے ہیں بشرطیکہ ایسا کرنا ان کے بس میں ہو۔ یعنی مومنوں کو ایسی صورت میں قتال کی کارروائی شروع نہیں کرنی چاہیے۔ لیکن اگر حملہ دشمنوں کی جانب سے ہو تو پھر تعداد کا لحاظ کیے بغیر خون کے آخری قطرے تک دفاع کا فریضہ ادا کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ ایسی صورت میں اگر ایک جگہ کے مسلمان کمزور ہوں اور

دفاع کی اہلیت نہیں رکھتے تو دوسرے مسلمانوں پر یہ فریضہ عائد ہوگا، یہاں تک کہ شرقاؤغراپوری دنیا کے مسلمانوں پر یہ فریضہ فرض عین کی صورت اختیار کر لے گا لیکن دفاع کا حکم ساقط نہیں ہوگا۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

مزید برآں یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اس عددی نسبت کا لحاظ تو اس زمانے میں رکھا جاسکتا تھا جب افرادی قوت ہی میدان جنگ میں اہم کردار ادا کرتی تھی۔ موجودہ دور میں جبکہ سائنس اور ٹیکنالوجی نے فرد کی اہمیت کو نسبتاً کم کر دیا ہے کیا زیادہ اہم سوال یہ نہیں ہوگا کہ ٹیکنالوجی کے لحاظ سے دشمن کہاں کھڑا ہے؟ اگر مسلمان فوج کی تعداد دس ہزار ہے مگر اس کے پاس روایتی ہندوق ہیں اور دشمن کی تعداد سو ہے مگر اس کے پاس جدید ترین ہتھیار ہیں تو مقدرت کا اندازہ تعداد سے لگایا جائے گا یا اسلحے کی نوعیت سے؟

نیز یہ بات بھی قابل غور ہے کہ تعداد کا اندازہ لگاتے ہوئے کیا صرف باقاعدہ فوج کو دیکھا جائے گا یا مسلمان آبادی کی کل تعداد دیکھی جائے گی؟ کیونکہ، جیسا کہ پیچھے بھی واضح ہوا اور آگے بھی ذکر آئے گا، بعض صورتوں میں قتال ہر ہر مسلمان پر نماز اور روزے کی طرح فرض عین کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ کیا اس کا لازمی تقاضا یہ نہیں ہے کہ ہر مسلمان کم از کم بنیادی فوجی سپہ گری اور اسلحے کے استعمال سے واقف ہو، بنیادی فوجی ٹریننگ ہر شہری کو دی گئی ہو اور شہری دفاع کے اصولوں سے بھی واقف ہوں؟ ہمارے نزدیک تو شریعت کے احکام کا مقتضی یہی ہے۔ ہو سکتا ہے بعض لوگ اسے تشدد پسندی قرار دیں کیونکہ ہوا ہی آج کل ایسی چلی ہے کہ عام شہری کا تو فوجی امور سے واقفیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تو فوجیوں کو بھی بھل صفائی اور میٹریڈنگ کے کام سونپ دیے جاتے ہیں۔ بقول اقبال۔

شکایت ہے مجھے یا رب! خداوندان مکتب سے

سبق شاہیں بچوں کو دے رہے ہیں خاکبازی کا

آزادی کی تحریکیں اور جہاد:

اگر مسلمان کسی غیر مسلم ملک میں مقیم ہیں اور وہاں انہیں اپنے دین پر عمل کی اجازت نہیں دی جاتی یا ان پر دیگر مظالم ڈھائے جاتے ہیں تو ان کے سامنے دو راستے ہوں گے: یا تو وہ کسی مسلم ملک کو یا ایسے غیر مسلم ملک کو ہجرت کریں جہاں وہ ان مظالم سے بچ سکیں۔ یا وہ خود اپنے حقوق کے تحفظ کیلئے وہیں مقیم رہ کے جدوجہد کریں۔ یہ مؤخر الذکر صورت آزادی کی تحریک میں بھی تبدیل ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں یہ ضروری نہیں کہ وہ مسلح جدوجہد ہی کریں۔ بلکہ اصولاً تو انہیں پہلے پر امن ذرائع ہی اختیار کرنے ہوں گے۔ تاہم اگر ضرورت پڑے تو اپنے حقوق کے تحفظ کیلئے وہ طاقت کا استعمال بھی کر سکتے ہیں اور اس سلسلے میں وہ کسی کو امیر جن کر قتال کا راستہ اختیار کر سکتے ہیں۔ ہجرت اور حق خود ارادیت کی تحریک، ہر دو صورتوں میں وہ دیگر اسلامی ممالک سے مدد بھی طلب کر سکتے ہیں اور ان ممالک پر ان کی مدد واجب ہوگی الا یہ کہ وہ اس محارب ملک کے ساتھ کسی نہ کسی وجہ سے جڑے ہوئے ہوں۔ ایک مزید وضاحت آگے آئیگی۔

مسلمان پر اس سرزمین سے ہجرت واجب ہو جاتی ہے جہاں وہ اپنے دین پر عمل نہ کر سکتا ہو۔ قرآن کریم نے صراحتاً ان لوگوں کو جہنمی ٹھہرایا ہے جو استطاعت رکھنے کے باوجود ہجرت نہ کریں اور دین پر عمل سے بھی رکے رہیں۔

ان الذین توفہم المملکة ظالمی انفسہم ، قالوا فیم کنتم ، قالوا کنا مستضعفین فی الارض ، قالوا الم تکن ارض اللہ واسعة فتهاجروا فیہا ، فاولئک ما واهم جہنم ، و ساءت مصیرا ۔ الا المستضعفین من الرجال و النساء و الولدان الذین لا یستطیعون حيلة و لا یہتدون سبیلا ۔ فاولئک عسی اللہ ان یعفو عنہم ، و کان اللہ عفوا غفورا ۔ (۶۱)

”جو لوگ اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے ان کی رو میں جب فرشتوں نے قبض کیس تو ان سے پوچھا کہ یہ تم کس حال میں مبتلا تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ ہم زمین میں کمزور و مجبور تھے۔ فرشتوں نے کہا کیا اللہ کی زمین وسیع نہیں تھی کہ تم اس میں ہجرت کرتے؟ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا جہنم ہے اور کیا یہی برا ٹھکانا ہے! ہاں جو مرد، عورتیں اور بچے واقعی بے بس ہیں اور نکلنے کا کوئی راستہ اور ذریعہ نہیں پاتے بعید نہیں کہ اللہ انہیں معاف کر دے۔ اور اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے۔“

امام ابن قدامہ نے ہجرت کی مختلف صورتوں کے حکم کی وضاحت اس طرح کی ہے کہ کسی غیر مسلم ملک میں مسلمانوں کو یا تو دین پر عمل کی اجازت ہوگی یا نہیں ہوگی۔ پھر ہر دو صورتوں میں وہ یا تو ہجرت کی استطاعت رکھتے ہوں گے یا نہیں ہوں گے۔ یوں کل چار صورتیں ہو جاتی ہیں:

- (۱) اگر انہیں دین پر عمل نہیں کرنے دیا جا رہا اور وہ ہجرت کی استطاعت رکھتے ہوں تو ان پر ہجرت واجب ہوگی۔
- (۲) اگر انہیں دین پر عمل کی اجازت بھی ہو اور وہ ہجرت کی استطاعت بھی رکھتے ہوں تو ان پر ہجرت واجب تو نہیں ہوگی البتہ مندوب ہوگی کیونکہ غیر مسلموں کے بیچ میں رہ کر وہ اپنے اور اپنی اولاد کے دین کو خواہ مخواہ خطرے میں ڈال رہا ہے۔ مزید یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ مل کر وہ انہیں تقویت پہنچا سکے گا۔

- (۳) اگر انہیں دین پر عمل کی اجازت نہیں لیکن وہ ہجرت کی استطاعت بھی نہ رکھتے ہوں تو ان کیلئے ہجرت نہ واجب ہوگی اور نہ ہی مندوب۔ البتہ کم از کم جائز ہوگی اور دیگر علاقوں کے مسلمانوں پر ان کی مدد واجب ہوگی۔

- (۴) اگر انہیں دین پر عمل کی اجازت ہو لیکن وہ ہجرت کی استطاعت نہ رکھتے ہوں تو ان کے لئے بھی ہجرت نہ واجب ہوگی اور نہ ہی مندوب، البتہ کم از کم جائز ہوگی۔ ابن قدامہ نے اس صورت کا ذکر نہیں کیا، تاہم اس کے استدلال کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ اس صورت میں ہجرت کو واجب یا مندوب نہ کہا جائے۔ (۶۲)

(جاری ہے)